فاتبعونی یحببکم اللہ

۶۱۹
تذکرہ عام اردو

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا کوثر نیازی

۱۹۹۶ء
Rs. 6/-
5474

ناشر ثانی

دعوت اسلامی راج محل
پوسٹ نارائن پور
ضلع صاحب گنج ۸۱۶۱۰۸
بہار

GIFT

۶۱۹
تذکرہ عام اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نام کتاب : امام احمد رضا خاں بریلوی
ایک ہمہ جہت شخصیت

مصنف : مولانا کوثر نیازی

سن اشاعت: رجب المرجب 1411 ہجری/
جنوری 1991ء

تعداد ایک ہزار

ناشر
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی

تعارف

مولانا کوثر نیازی صاحب تعارف کے محتاج نہیں ، وہ بر صغیر کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں وہ بے باک صحافی اور کہنہ مشق ادیب و شاعر ہیں ، قدیم و جدید علوم پر دسترس رکھتے ہیں اور حق بات کہنے اور قبول کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے ، بلا خوف و خطر اپنے خیالات کا بر ملا اظہار کرتے ہیں ان تمام خوبیوں کے باوجود وہ مغرور و متکبر نہیں بلکہ متواضع و منکسر المزاج ہیں وہ ایک شریف النفس انسان ہیں اور دلنواز شخصیت کے مالک ہیں۔

مولانا کوثر نیازی صاحب 21 اپریل 1934 کو میانوالی میں پیدا ہوئے طالب علمی کے زمانے ہی سے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اسی زمانے میں وہ کچھ عرصہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے۔

پنجاب یونیورسٹی سے اردو ، فارسی اور عربی میں آنرز کیا مولانا مودودی صاحب سے اسلامیات کی تعلیم حاصل کی ، مولانا امین احسن اصلاحی سے تفسیر قرآن ، مولانا محمد اسمٰعیل سے حدیث اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے بخاری شریف کا درس لیا عربی کی تعلیم مولانا عبد الحق ندوی سے حاصل کی۔

مولانا کوثر نیازی صاحب چونکہ طالب علمی کے زمانے ہی سے صحافت و سیاست میں دلچسپی لیتے تھے لہٰذا تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد صحافت سے وابستہ ہو گئے اور لاہور سے شائع ہونے والے روزنامہ "تسنیم" اور "کوثر" کے مدیر رہے۔ انہوں نے

1960 میں ہفت روزہ "شہاب" جاری کیا جو اس زمانے میں پاکستان میں سب سے زیادہ تعداد میں شائع ہونے والا ہفت روزہ تھا۔ مولانا اردو زبان میں دو درجن سے زیادہ کتب کے مصنف ہیں اور انکی کئی کتابیں فارسی، انگریزی اور عربی زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہیں۔ انکی ایک کتاب "مطالعہ تاریخ" پنجاب میں ایم۔اے کے کورس میں داخل ہے، وہ کچھ عرصہ کراچی یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی EXTERNAL EXAMINER بھی رہے 1974 تا 1977 اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین رہے۔

مولانا کوثر نیازی صاحب سیاست کا ایک وسیع تجربہ رکھتے ہیں، ابتدائے سیاست میں "جماعت اسلامی" سے منسلک رہے مگر کچھ عرصے بعد اس سے علیحدہ ہوگئے پاکستان کے ارباب بست و کشاد، ملکی اور بین الاقوامی معاملات پر انکی آراء کو بڑی وقعت دیتے ہیں وہ خود بھی ایک عرصے تک ملک کی مجلس ارباب حل وعقد کے فعال رکن رہے ہیں انہوں نے پاکستان کے پہلے وزیر مذہبی امور کی حیثیت سے 1974 تا 1977 تک ملک و قوم کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ان سب کے علاوہ مولانا کا سب سے بڑا طرہ امتیاز انکی حق گوئی و بیباکی اور بایں ہمہ علم و فضل انکی منکسر المزاجی ہے۔

مولانا کوثر نیازی صاحب کا شمار پاکستان کے صفِ اول کے کالم نگاروں میں ہوتا ہے وہ ایک شعلہ بیاں خطیب اور بلند پایہ مقرر بھی ہیں، مذہب، تاریخ، سیاست، فلسفہ اور ادب پر انکے مضامین و مقالات اپنی مثال آپ ہیں وہ ایک معروف محقق اور دانشور ہیں انکے محققانہ مضامین اور کالم اخبار "جنگ" میں بڑی باقاعدگی سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی صاحب بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں انہوں نے سرکاری و نجی سطحوں پر کئی مرتبہ بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی وہ ایک خوددار

مسلمان ہیں جسکا اظہار انکی تحریروں اور تقریروں سے بخوبی ہوتا ہے انہوں نے 1989 میں شاتم رسول سلمان رشدی اور اسکی رسوائے زمانہ کتاب کے خلاف اسلام آباد میں ایک بڑے احتجاجی جلوس کی قیادت کی اور اس رسوائے زمانہ کتاب SATANICVERSION کے خلاف پاکستان میں سب سے پہلے ان ہی کا مضمون روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوا تھا جس کے بعد پورے ملک میں اس شاتم رسول اور اسکی رسوائے زمانہ کتاب کے خلاف مظاہرے ہوئے.

مولانا کوثر نیازی صاحب نے زیر نظر مقالہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کے زیر اہتمام منعقدہ "امام احمد رضا کانفرنس 1990 مورخہ 14 ستمبر 1990 میں پڑھا تھا جو شرکائے کانفرنس میں بہت پسند کیا گیا بعد میں یہ مقالہ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی اور لاہور میں شائع ہوا جسکی تمام ملک میں بڑی پزیرائی ہوئی اسکی مقبولیت عامہ کو دیکھتے ہوئے لاہور کے "ادارہ معارف نعمانیہ" نے کتابی شکل میں شائع کر کے اہل علم وانصاف میں مفت تقسیم کیا اب ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) مصور ادیب و محقق محترم المقام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کے مقدمے کے ساتھ اس مقالے کو کتابی صورت میں شائع کر رہا ہے نیز اس مقالے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی الگ سے شائع کیا جارہا ہے.

(ادارہ)

تقدیم

پاکستان کے سابق وزیر مذہبی امور اور اقلیتی امور جناب مولانا کوثر نیازی ملک کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ وہ میدان صحافت اور میدان سیاست کے شہسوار ہیں انہوں نے زمانہ کے نشیب و فراز دیکھے ہیں وہ شاعر و ادیب بھی ہیں ؎

اللہ اللہ ہستی شاعر قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی

امام احمد رضا کو پرکھنے کے لیے ایسے ہی دل کی ضرورت تھی جو سچی بات کو سننے اور کہنے کی صلاحیت رکھتا ہو جو جانب دار و طرف دار نہ ہو جو سخت دل سخت جان سخت گیر نہ ہو جو خدا لگتی کہتا ہو ع

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

مولانا کوثر نیازی نے یہ مقالہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) کی سرپرستی میں 14 ستمبر 1990ء کو تاج محل ہوٹل (کراچی) میں منعقد ہونے والی امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا تھا جو کانفرنس میں پسند کیا گیا اور سراہا گیا راقم بھی اس کانفرنس میں شریک تھا اور مولانا سے پہلی مرتبہ اسی کانفرنس میں ملاقات بھی ہوئی۔

یہ مقالہ بعض اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے ادارہ معارف نعمانیہ لاہور نے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے اور اب ادارہ تحقیقات امام احمد رضا اردو کے علاوہ اس کا عربی اور انگریزی ترجمہ بھی شائع کر رہا ہے۔

مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے عقیدت مندوں میں نہیں انھوں نے امام احمد رضا کے بارے میں جو کچھ لکھا اپنے ذاتی مطالعے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر لکھا ہے اس لیے ان کے خیالات وقیع معلوم ہوتے ہیں اور امام احمد رضا پر کام کرنے والوں کے لیے رہنما ثابت ہو سکتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی مقالے کے آغاز ہی میں یہ چونکا دینے والا فیصلہ فرماتے ہیں :-

"برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانب دار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت شخصیت امام احمد رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی (امام احمد رضا خاں بریلوی ہمہ جہت شخصیت، مطبوعہ لاہور 1990ء ص 4)

راقم کے استاد گرامی اور ملک کے مایہ ناز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں (صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا اس میں شک نہیں کہ جس نے امام احمد رضا کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا وہ اسی نتیجہ پر پہونچے گا ع

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن ۴
۴ خوبیٔ یار کا جواب کہاں

لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی عظیم شخصیت بدگمانیوں اور الزام تراشیوں کے غبار میں چھپادی گئی تھی اور مزید المیہ یہ کہ یہ کام مخالفت کی بنا پر بعض اہل علم نے جان بوجھ کر کیا بہرحال یہ غبار اب چھٹ گیا ہے اور امام احمد رضا پر ایشیاء، افریقہ، امریکہ اور یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔

امام احمد رضا پر مخالفین نے بہت سے الزامات لگائے سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا بریلوی خالی ایک فرقہ کے بانی تھے مولانا کوثر نیازی اس خیال سے متفق نہیں معلوم ہوتے چنانچہ لکھتے ہیں:

"بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی نامی ایک فرقے

کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں" (ص 6)

کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال (جنھوں نے بریلوی تحریک پر ڈاکٹریٹ کیا ہے) سے جب راقم نے یہ کہا کہ "بریلوی فرقہ نہیں ہے" تو وہ چونک گئیں اور حیرت سے منہ تکنے لگیں جب سمجھایا تو فکر میں پڑ گئیں اصل میں یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی کیوں کہ عام تاثر یہی ہے کہ بریلوی ایک فرقہ ہے جس کے بانی امام احمد رضا تھے بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی حضراتِ اہل حدیث نے اہلِ سنت کو یہ لقب عطا فرمایا تھا پھر اہل سنت نے اس لقب کو قبول کرتے ہوئے اپنایا اور بریلوی مشہور ہو گئے حالانکہ ع

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ماضی میں سلف صالحین کی یہی شان تھی اسی لئے مولانا کوثر نیازی نے امام احمد رضا کو سلفی کہا ہے پھر رفتہ رفتہ گردش دوراں کے مارے اصل سے جدا ہو کر ٹکڑیوں میں بٹ گئے یہ ایک قومی المیہ ہے جس نے ملت اسلامیہ کی ساکھ کو سخت نقصان پہونچایا ہے اب ہر کوئی فکر مند ہے لیکن اس کو نہ تشخیص سے غرض ہے اور نہ تجویز و علاج سے ع

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ وہ بدعتی ہیں اور انہوں نے بدعات کو بہت فروغ دیا ہے یہ بات اتنی مشہور کر دی گئی کہ لوگ یقین کرنے لگے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے مولانا کوثر نیازی نے اپنے مقالے میں ایسے شواہد پیش کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے تو بدعات کی سرکوبی کی ہے مولانا حیرت سے کہتے ہیں:

"کیا ستم ظریفی ہے کہ جو رد بدعات میں شمشیر برہنہ تھا اسے خود

حامی بدعات قرار دیا گیا" (ص 5)

امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ تکفیر مسلم کے عادی تھے جس کو چاہا کافر کہہ دیا حالانکہ یہ بات خلافِ حقیقت ہے بلکہ جو حضرات اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں ان کے محبوب قائدین نہ صرف تکفیر مسلم سے داغدار ہیں بلکہ خون مسلم سے بھی داغدار ہیں یہ ایک خونچکاں حقیقت ہے جس کو چھپایا جاتا ہے اپنی غلطیوں کی پردہ پوشی کا یہ طریقہ نکالا کہ امام احمد رضا کو موردِ الزام ٹھہرایا بہرحال اس سلسلے میں مولانا کوثر نیازی نے بڑی دل لگتی بات کہہ دی ہے۔ ان کے نزدیک امام احمد رضا کے فتویٰ تکفیر کا اصل محرک عشق رسول تھا اسی لئے جن حضرات کی گستاخیٔ رسول کی بنا پر امام احمد رضا نے تکفیر کی خود انھوں نے ان کے اس جذبے کو سراہا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ادریس کاندھلوی کے تاثرات وخیالات پڑھ کر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ع

مرتا ہوں اس آواز پر ہرچند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہیں جائیں کہ "ہاں اور"

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں۔

"وہ فنافی الرسول تھے اس لیے ان کی غیرت عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی" (ص 7)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"ادب و احتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے (۔ص 8)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدد کہتے ہیں، وہ تشدد نہیں، و

ان کا عشق رسول ہے ان کا ادب و احتیاط ہے جو فتوی نویسی سے
لے کر ترجمہ قرآن تک اور ترجمہ قرآن سے لے کر ان کی نعتیہ
شاعری تک ہر جگہ آفتاب و مہتاب بن کر ضوفشانی کر رہا ہے۔
(ص 12)

مولانا کوثر نیازی نے جو بات کہی دلیل کے ساتھ کہی - ترجمہ قرآن کے سلسلے میں انھوں نے مولانا محمود حسن دیوبندی، مولوی عبد الماجد دریا آبادی، اور مولانا ابو اعلی مودودی کے تراجم سے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کا تقابل کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے - اس کے باوجود بعض اسلامی ممالک میں امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن پر پابندی لگانا اور سلمان رشدی کی گستاخیوں پر خاموشی اختیار کرنا مولانا کے لیے سخت حیران کن ہے۔ حیرت سے پوچھتے ہیں:-

"کیا ستم ہے کہ فرقہ پرور لوگ رشدی کی ہفوات پر تو زبان
کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم قدم کوئی کاروائی کرنے میں
اس لیے تامل کریں کہ کہیں آقایان ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں
مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمے پر پابندی لگا دیں جو
عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے (-ص 9)

اصل میں آقایان ولی نعمت گستاخیوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں تاکہ ملت اسلامیہ کو جسد بے روح بنا دیا جائے اسی لیے گستاخوں نے پابندی لگوائی اور حق نمک ادا کیا۔ ابتک یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ گستاخان رسول کا آقایان ولی نعمت سے اندرون خانہ تعلق و محبت ہے اور سارا الزام امام احمد رضا کے سر تھا مگر اب خلیج کے بحران نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے گردش دوراں نے دکھا دیا کہ نصاریٰ کے دمساز امام احمد رضا تھے یا امام احمد رضا کے مخالفین اور انکے ترجمہ قرآن کنز الایمان پر

ملاحظہ ہو ماہنامہ ... ص ۱۲

پابندی لگانے والے ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب (بہار کبور)

راقم نے اپنے ایک تحقیقی مقالے گناہ بے گناہی (مطبوعہ لاہور 1978ء) میں امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے الزام کی تاریخی شواہد کی روشنی میں تحقیق کی ہے اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ امام احمد رضا کا دامن اس داغ سے بے داغ تھاہاں انکے مخالفین کے دامن ضرور داغدار تھے۔

جب امام احمد رضا نے بعض شرعی وجوہ کی بنا پر ہندوستان کو دارالسلام قرار دیا تو ان کے مخالفین نے غل مچایا کیوں کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر بے دست و پائی کے باوجود انگریزوں سے جنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمان اور کمزور ہو جائیں اور انگریزوں کی نظر میں آجائیں۔ امام احمد رضا نے اپنے فتوے سے ان عزائم کو خاک میں ملا دیا لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ جو حضرات انگریزوں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے وہ ہندوؤں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالاسلام کہہ رہے ہیں یہ تضاد دیکھ کر مولانا کوثرنیازی حیران ہیں:

> "حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے۔ آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتوے کی تائید کر رہے ہیں (ص 14)

افسوس ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں مذہب کا استحصال کیا گیا جو اب تک جاری

ہے بلکہ اب تو مذہب کے ساتھ ساتھ غربت کا بھی استحصال ہو رہا ہے امام احمد رضا اس استحصال کے خلاف تھے اور وہ زندگی بھر اسکے خلاف نبرد آزما رہے ایسے شخص کو انگریزوں کا حامی و دمساز کہنا کیسی ستم ظریفی ہے۔ امام احمد رضا سیاست داں نہ تھے بلکہ مدبر تھے۔ سیاست داں عوام کا نبض شناس ہوتا ہے اور مدبر زمانے کا نبض شناس، سیاست داں کی نظر عوام پر رہتی ہے اور مدبر کی نظر زمانے پر، دونوں میں یہی فرق ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے ع

ایام کا مرکب نہیں وہ راکب ہے قلندر

مولانا کوثر نیازی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا پالیٹیشن نہیں، اسٹیٹسمین تھے سیاسی لیڈر نہ تھے مدبر تھے پالیٹیشن اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں جب کہ اسٹیٹسمین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں (ص 13)

یہی پیش بینی اور دور اندیشی تھی کہ جب محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال متحدہ قومیت کی بات کر رہے تھے، امام احمد رضا نے دو قومی نظریہ کی بات کی ابتدا میں مسلمان سیاسی لیڈروں نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا مگر بعد میں دور اندیش سیاست داں اس طرف آگئے چنانچہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال بھی دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہو گئے بلکہ انھوں نے اس کو اپنا فکری اور سیاسی لائحہ عمل بنا لیا مولانا کوثر نیازی اس تاریخی پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"انھوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب

اقبال اور قائد اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے دیکھا
جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتدا ہیں
اور یہ دونوں مقتدی۔ پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ
ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں
سے باخبر نہ کرتے" (ص 15)

عرصہ ہوا یہ بات راقم نے اپنے ایک انگریزی مقالے میں لکھی تھی جس کا مسودہ مشہور مؤرخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے مطالعہ فرمایا انہوں نے سوال کیا کہ کن شواہد کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال دو قومی نظریہ کے سلسلے میں امام احمد رضا سے متاثر تھے راقم نے یہی جواب دیا کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کی بات ہو رہی تھی اس وقت امام احمد رضا دو قومی نظریہ کی بات کر رہے تھے جس کا برصغیر کے طول و عرض میں چرچا ہوا اس لئے دونوں حضرات کا ان سے متاثر ہونا بدیہی امر ہے جس کے لئے شواہد کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ دونوں امام احمد رضا کے معاصرین میں تھے۔

مولانا کوثر نیازی نے صحیح فرمایا

"ہماری قوم بد قسمتی سے انتہا پسند واقع ہوئی ہے (ص 15)

تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک ترک حیوانات، تحریک کھدر، تحریک ہجرت وغیرہ میں یہی انتہا پسندی نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا سیاسی امور میں ہوشمندی اور اعتدال پسندی کے قائل تھے خصوصاً جب کہ ایک عیار اور چالاک اور طاقتور دشمن سے پالا پڑے۔ افسوس یہ ہے کہ سیاسی ہنگامہ آرائی میں ملی شعور مدبروں کے ہاتھ سے نکل کر سیاست دانوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے پھر وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے تدبر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلک اعتدال پر قائم رہنا اور دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے مدبرانہ دور بینی کی سیاست پر کاربند رہنا امام احمد رضا جیسے آہنی اعصاب رکھنے والے انسان ہی کا کام تھا۔ رہا یہ کہنا کہ انکے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے تو یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو یا تو امام رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو (ص 16)

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کو سیاسی امور میں یہ بصیرت اور استقامت عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نصیب ہوئی تھی۔ انکا مسلک، مسلک عشق و محبت تھا، وہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی تھے وہ اسلام کے شیدائی تھے ان کا عشق رسول اس سلام سے عیاں ہے جس کی گونج مشرق و مغرب میں سنی جارہی ہے مولانا کوثر نیازی اس سلام کے لئے لکھتے ہیں

"بلا خوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام (مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام) ایک طرف دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا"

پھر لکھتے ہیں

مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اسکے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

(ص 11)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے امام احمد رضا کی شاعری اتنی بلند اور باوقار

ہے کہ آج دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اس پر کام ہوچکا اور ہو رہا ہے مثلاً پنجاب یونیورسٹی (لاہور) عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) کلکتہ یونیورسٹی (کلکتہ) اور برمنگھم یونیورسٹی (یو.کے) وغیرہ اور شاعری پر مقالات و مضامین تو بکثرت شائع ہو چکے ہیں امام احمد رضا کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آتی ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کے ان عشاق کے متعلق یہ پیشنگوئی فرمائی ہے:

> میری امت میں سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت رکھنے والے وہ بھی ہونگے جو یہ تمنا کریں گے کہ کاش اپنا مال اور کنبہ قربان کرکے اپنے رسول کو دیکھ لیتے (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث مبارک کو پڑھ کر امام احمد رضا کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں جو انھوں نے گستاخان رسول کے جواب میں کہے ہیں:

> "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندہ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارھم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم بر علم! اے خوشا نصیب! اسکا کہ اس کی آبرو، اسکے آباواجداد کی آبرو بدگویوں کی زبانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے (حسام الحرمین لاہور ص 51-52)

کسی عارف کامل نے کیا خوب کہا ہے ع

درخیال حضرت جاناں زخود بیزار باش
بے خبر از خویش باش 'باخبر از یار باش!

المختصر مولانا کوثر نیازی کا یہ مقالہ اہل دانش کو دعوت فکر دیتا ہے، امام احمد رضا کی شخصیت کو پرکھنے کا سلیقہ بتاتا ہے اور امام احمد رضا کے فکر و خیال کے مختلف گوشوں کو روشن کرتا ہے اللہ تعالی ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اتحاد و اتفاق کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے ع

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لا یحزنوا کر!

آمین!

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ
گریجویٹ اسٹڈیز سینٹر، سکھر

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ
ایک ہمہ جہت شخصیت

(مونا لاکوثر نیازی)

اردو زبان میں جب کبھی "آں حضرت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرور ختمی مرتبت کا وجود باجود ذہن میں آجاتا ہے اور جب "اعلیٰ حضرت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکار کے ایک غلام "احمد رضا خان بریلوی" کا نام سامنے آجاتا ہے' دیکھا جائے تو یہ مقام امام احمد رضا خان کو ان کے ماننے والوں کی خوش عقیدگی سے نہیں ملا' یہ ان کے فنا فی الرسول اور ایک ہمہ جہت شخصیت ہونے کا فیضان ہے' برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت امام رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی۔

کونسا علم تھا جس پر انہیں دسترس نہ تھی' تفسیر' حدیث' فقہ' ہندسہ' ریاضی' سائنس' فلسفہ' علم ہیئت' جفر' طبیعات' کیمیا' اقتصادیات' ارضیات' طب' جغرافیہ' تاریخ' سیاسیات' علم مناظرہ' منطق' جبر و مقابلہ نحو' صرف' علم معانی' علم بیان' علم صنائع' علم بدائع' قرات' تجوید' تصوف' سلوک' لغت' شاعری' ادب' خط نسخ' خط نستعلیق۔ ان کے سوانح نگاروں نے ساٹھ کے قریب علم گنوائے ہیں جن میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی' وہ بیک وقت ایک عظیم ادیب بھی تھے اور خطیب بھی' مناظر بھی تھے اور متکلم بھی' محدث بھی تھے اور مفسر بھی' فقیہ بھی تھے اور سیاست دان بھی اور جب وہ تحدیث نعمت کے طور پر کہتے ہیں تو غلط نہیں کہتے (اور اس لفظ "سخن" میں کلام کی سبھی شاخیں شامل ہیں) کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

گردش ایام کی یہ بھی ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ تاریخ کی اکثر و بیشتر عظیم شخصیات مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بھی رہی ہیں' انہیں نے ہمیشہ اپنے باب میں لوگوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے' کسی کو غیر جانبدار نہیں چھوڑا۔ کچھ کو ان سے سخت عقیدت رہی ہے تو کچھ عداوت کی حد تک ان کے مخالف رہے ہیں' اس مخالفت میں ان کی ذات پر پروپگنڈے کی دھول بھی اڑائی گئی ہے' امیرالمومنین حضرت علی المرتضیٰ کو دیکھ لیجئے' نصیری نے انہیں خدا بنادیا تو خوارج نے کافر ٹھہرایا' ہمارے قریبی دور کی مثال محمد علی جناح ہیں چاہنے والوں نے انہیں قائداعظم کہا اور فتویٰ بازوں نے انہیں کافراعظم' یہی صورت حال امام احمد رضا کی شخصیت کے باب میں رہی جو ان کی شخصیت کا عرفان رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ برصغیر کے امام ابوحنیفہ تھے اور جو ان سے مخاصمت کی حد تک مخالفت رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ ایک بدعتی متشدد مفتی اور مناظر اور ایک انگریز نواز مولوی تھے' معاصرت تو ہمیشہ سے سبب منافرت رہی ہے' لیکن افسوس کے ان کی وفات کے اکہتر سال بعد بھی نقد و نظر کا مطلع اب تک گرد آلود ہے' تعصب کی رنگین عینکیں لگا کر دیکھنے والوں نے صاف نظروں سے ابھی تک ان کا روئے تاباں دیکھنے کی کوشش نہیں کی اگر وہ انصاف کرتے تو انہیں یہ جاننے میں کوئی دشواری نہ ہوتی کہ امام رضا کی خلاف پھیلائے جانے والا پروپگنڈا مخالفین کے اپنے دلوں پر چھائے ہوئے غبار کدورت کا نتیجہ ہے ورنہ خود امام کے زبان و قلم اور قول و فعل سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ تو زبان حال سے یہ پکار رہا ہے ۔

نہ شبنم' نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

کیا ستم ظریفی ہے کہ جو رد بدعات میں شمشیر برہنہ تھا' اسے خود حامی بدعات قرار دیا گیا ان کے افکار و فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی سخت مخالفت خلاف پیغمبر راہ گزینی کی انہوں نے کی شاید ہی کسی اور نے کی ہو' ان کے ایک معاصر حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے "مرشد" کو سجدہ تعظیمی کے نام سے ایک کتابچہ لکھا تو امام رضا نے "حرمت سجدہ تعظیم" کے نام سے اس کا جواب لکھا اور سو سے زیادہ آیات و احادیث سے اسے حرام ثابت کیا' عام طور پر لوگ پیری مریدی کو اسلام کا لازمہ قرار دیتے ہیں مگر آپ نے اس

مشہور کتاب "السنتہ الانیقہ" میں لکھا ہے کہ :

"انجام کار دستگاری کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے"

اسی طرح ہمارے ہاں قبروں پر چراغاں کیا جاتا ہے مگر امام رضا قبروں پر چراغ جلانے کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ صرف اس صورت اس کے جواز کی قائل ہیں جب قبر رستے میں واقع ہو یا مسجد میں ہو اور اس کی روشنی سے مسافروں اور نمازیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ آج کل مزاروں پر منوں اور ٹنوں کے حساب سے چادریں چڑھانے کا رواج ہے اور یہ چادریں عام طور پر وزیروں اور امیروں کی دستار بندی میں استعمال کی جاتی ہیں۔ امام احمد رضا قبر پر صرف ایک چادر چڑھانے کی حد تک اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ڈھیروں چادریں چڑھانے کو بطور رسم جائز نہیں سمجھتے، لکھتے ہیں :

"جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لیے محتاج کو دیں"

ناواقف لوگ آج کل کی قوالیوں کو بھی امام رضا کے مکتب فکر کی پہچان قرار دیتے ہیں مگر آپ نے اپنے رسالہ "مسائل سماع" میں ان قوالیوں کو ناجائز ٹھہرایا ہے جنہیں مزامیر کے ساتھ سنا جاتا ہے۔

****

کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا بہت متشدد تھے، انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑے بڑے علماء اور اکابر کو کافر ٹھہرایا ہے مگر میں کہتا ہوں یہی ایک بات تو انہیں دوسرے مکاتب فکر کے مقابلے میں ممیز اور مشخص کرتی ہے، بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی نامی ایک فرقے کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں اور بس، ان کے مقابلے میں جن لوگوں کو دیوبندی کہا جاتا ہے فقہی مسلک اور اکثر و بیشتر دوسرے مسائل میں وہ بھی وہی نقطہ نظر رکھتے ہیں جو مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ہے، پیری مریدی ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہے فیض قبور کا وہ بھی اعتراف کرتے ہیں، عدم تقلید کے وہ بھی مخالف ہیں، امام ابو حنیفہ کی فقہ کو دوسرے تمام فقہی اصولوں پر وہ بھی ترجیح دیتے ہیں۔

اصل جھگڑا یہاں سے چلا کہ ان کے بعض اکابر کے خلافِ احتیاط تحریروں کو امام رضا نے قابل اعتراض گردانا اور چونکہ معاملہ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر انہیں فتوؤں کا نشانہ بنایا۔ دیکھا جائے تو یہی فتوے امام بریلوی اور ان کے مکتب فکر کے جداگانہ تشخص کا مدار ہیں، جس تشدد کی دہائی دی جاتی ہے وہی ان کی ذات کی پہچان اور پوری حیات کا عرفان ہے، وہ فنافی الرسول تھے اس لیے ان کی غیرت عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی، دم آخرین اپنے عقیدت مندوں اور وارثوں کو جو وصیت کی وہ بھی یہی تھی کہ :

"جس نے اللہ اور رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ، جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو" (وصایا شریف)

میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے، کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے "مولوی صاحب ! (اور یہ مولوی صاحب ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتوؤں کے سبب ہو جائے گی" اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "احمد رضا خان ! تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی" کم و بیش اسی انداز کا ایک اور واقعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے میں نے سنا، فرمایا :

"جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اطلاع کی، مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے جب دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں، فرمایا (اور یہی بات سمجھنے کی ہے) کہ مولانا احمد رضا خان

نے ہم پر کفر کے فتوے اس لیے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتوی نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے"

حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں' وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب و احتیاط کی روش کا نتیجہ ہے' شاعر نے شاعری نہیں کی شریعت کی ترجمانی کی ہے جب یہ کہا ہے کہ ؎

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اور میرا اپنا ایک شعر ہے ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ دربار نبی ہے
خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے ادبی کا

ادب و احتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے ان کا طغرائے ایمان ہے' ان کی آہوں کا دھواں ہے' حاصل کون و مکاں ہے' برتر از این و آں ہے' باعث رشک قدسیاں ہے' راحت قلب عاشقاں ہے' سرمہ چشم سالکاں ہے' ترجمہ کنزالایمان ہے۔

ووجدک ضالاً فھدی کے ترجمے کو دیکھ لو' قرآن پاک شہادت دیتا ہے' "ماضل صاحبکم وماغوی" رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔ "ضل" ماضی کا صیغہ ہے' مطلب یہ ہے کہ ماضی میں آپ کبھی بھی گم گشتہ راہ نہیں ہوئے۔ عربی زبان ایک سمندر ہے اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد و افکار کے رنگ میں ان کا کوئی سا مطلب اخذ کر لیتے ہیں۔ "وجدک ضالاً" کا ترجمہ ماضل کی شہادت قرآن کو سامنے رکھ کر عظمت رسول کے عین مطابق کرنے کی ضرورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیت قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ترجمہ کرتے ہیں
"اور پایا تجھ کو بھٹکتا' پھر راہ سمجھائی"

کہا جا سکتا ہے مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے ان سے چوک ہو گئی آیئے ادیب، شاعر اور مصنف اور صحافی مولانا عبد الماجد دریابادی کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کا ترجمہ ہے۔

"اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا"

مولانا دریابادی پرانی وضع کے اہل زبان تھے ان کے قلم سے صرف نظر کر لیجئے اس دور میں اردوئے معلی میں لکھنے والے اہل قلم حضرت مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے دروازے پر دستک دیجئے، ان کا ترجمہ یوں ہے۔

"اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"

حیاء باللہ پیغمبر کی گم رہی اور پھر ہدایت یابی میں جو جو سوسے اور خرخشے چھپے ہوئے ہیں انہیں نظر میں رکھئے اور پھر "کنزالایمان" میں امام احمد رضا خان کے ترجمے کو دیکھئے۔

بیا ورید گر اینجا بود سخن دانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

امام نے یا عشق افروز اور ادب اموز ترجمہ کیا ہے

فرماتے ہیں "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ "رشدی" کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کارروائی کرنے میں اس لیے تامل کریں کہ کہیں آقایان ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں، مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ پر پابندی لگا دیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

شاعری ایک اور میدان ہے جہاں بے اختیار ادب و احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا ہے اور شاعری میں بھی نعت گوئی کی صنف تو ایک ایسی مشکل صنف سخن ہے جس میں ایک ایک قدم پل صراط پر رکھنا پڑتا ہے، یہاں ایک طرف محبت ہے تو ایک طرف شریعت، ایک شاعر نے روضہ رسول پر اپنی حاضری کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
ایک سمت محبت ہوتی ہے ایک سمت شریعت ہوتی ہے

لیکن یہ کیفیت حقیقت میں صرف روضہ رسول پر حاضری کے وقت ہی طاری نہیں
رتی، نعت کہتے وقت ہر شعر اسی امتحان و آزمائش سے دوچار ہوتا ہے، یہاں بھی ایک طرف
یت ہوتی ہے ایک طرف شریعت، اگر صرف شریعت کو ملحوظ رکھا جائے تو شعر شعر نہ رہے
عظ و تقریر بن جائے اور اگر صرف محبت کے تقاضے پورے کیے جائیں تو ایک ایک لفظ
شریعت کی جراحت کا مجرم ٹھہرے۔ عرفی شیرازی نے اس نازک صورتحال کو اپنے ایک شعر
یں یوں بیان کیا ہے ۔

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ راہ بردم تیغ است قدم را

"عرفی جلد جلد قدم نہ اٹھا یہ نعت کا میدان ہے، صحرا نہیں ہے آہستہ آہستہ چل
کیونکہ تو تلوار کی دھار پر قدم رکھ رہا ہے۔"

امام احمد رضا کو بھی اس مشکل کا کامل احساس ہے وہ ملفوظات میں فرماتے ہیں "نعت
کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے، بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص
ہوتی ہے۔" اس لیے ایک جگہ فرمایا "قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی" اس معیار کو سامنے
رکھ کر ہم نعتیہ شاعری کے ذخائر پر نظر ڈالتے ہیں تو اس پر صرف ایک ہی شاعر پورا اترتا ہے اور
وہ خود احمد رضا خان بریلوی ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں میں ادب کا طالب علم ہوں۔ برا بھلا
شعر بھی کہہ لیتا ہوں۔ اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں کا نعتیہ کلام میں نے دیکھا ہے اور
استعیاب دیکھا ہے میں بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ تمام زبانوں اور تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام
ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام۔

"مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام"

ایک طرف۔ دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا
میں اگر یہ کہوں کہ یہ سلام اردو زبان کا قصیدہ بردہ ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔ جو

زبان وبیان، جو سوز و گداز، جو معارف وحقائقِ قرآن وحدیث اور سیرت کے جو اسرار و رمو
انداز واسلوب میں جو قدرت وندرت اس سلام میں ہے وہ کسی زبان کی شاعری کے کسی ش
پارے میں نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اہل قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس ک
ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

ایک شعر پڑھتا ہوں میں دعوے سے کہتا ہوں آپ نے کسی زبان کی شاعری میں
سرکار ختمی مرتبت کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہوگی۔ ذرا تصور کیجئے ایک نہر ہے
اس کے اردگرد سبزہ ہے۔ اس سبزے سے نہر کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ اب نہر کس کو کہا
سرکار کے دہن مبارک کو، نہر عربی زبان میں دریا کو کہتے ہیں، آپ کے دہن مبارک کو نہ
رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن اقدس سے موجزن ہے۔ ایک فارسی
شاعر نے کہا ہے۔

نرفت "لا" بزبان مبارکش ہرگز
مگر باشہدان لا الہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک سے اشہدان لا الہ الا اللہ میں جو "لا" ہے اس کے علاوہ لا یعنی
نہیں کا لفظ کبھی نہیں فرمایا گیا شاہ رضا کہتے ہیں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ دہن اقدس، یہ نہر رحمت کہ سفر طائف میں پتھروں کی بارش ہوئی، سر مبارک سے
خون بہا نعلین مبارک تک آگیا۔ مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے۔ عرض کیا۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

"اے اللہ میری قوم کو ہدایت نصیب فرما یہ لوگ نہیں جانتے علم نہیں رکھتے۔
میرے مقام اور پیغام سے بے خبر ہیں۔

تو اس دہن اقدس کو نہر رحمت کہا اور ریش مبارک کیا ہے؟ اس نہر رحمت کے گرد
لہلہانے والا سبزہ، جس نے نہر رحمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیے

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزہ نسر رحمت پہ لاکھوں سلام

حضرت رضا آگے بڑھتے ہیں۔ سرکار کی، آپ کی ازواج مطہرات کی، صحابہ کرام اہل بیت کی اولیائے کبار کی، بالخصوص حضرت غوث الاعظم کی جو امام الاولیاء ہیں تعریف کرنے کے بعد حرف مطلب زبان پر لاتے ہیں مگر اس میں بھی کیا امتیاز و اختصاص ہے، درخواست ذاتی نہیں جماعتی ہے انفرادی نہیں اجتماعی ہے۔ صرف اپنے لیے نہیں پوری امت کے لیے ہے کہتے ہیں۔

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

اور خود کیا چاہتے ہیں؟ یہ سلام اور نعت لکھنے سے غرض کیا ہے؟ کہتے ہیں میں تو صرف اتنا انعام چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب سب آپ پر سلام بھیج رہے ہوں وہ فرشتے جو آپ کی خدمت کے لیے مقرر ہیں مجھے آواز دے کر کہیں "احمد رضا! تم بھی تو سلام سناؤ وہی سلام ..... مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام ..... تو میری مزدوری وصول ہو جائے گی۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

بات پھیل گئی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدد کہتے ہیں وہ تشدد نہیں ان کا عشق رسول ہے۔ ان کا ادب و احتیاط ہے جو فتوے نویسی سے لے کر ترجمہ قرآن تک اور ترجمہ قرآن سے لے کر ان کی نعتیہ شاعری تک ہر جگہ آفتاب و ماہتاب بن کو ضوفشانی کر رہا ہے۔

****

اور کہنے والوں کی زبان کون روک سکتا ہے وہ تو یہ بھی کہتے ہین کہ حضرت احمد رضا اول و آخر انگریز نواز شخصیت تھے۔ خلافت' ترک موالات' اور تحریک ہجرت اور تحریک ہجرت کی سبھی انقلابی تحریکوں میں ان کی روش انقلاب دشمنی پر مبنی تھی۔ ہندوستان کے دارالسلام اور دارالحرب ہونے کی بحث میں بھی ان کا نقطہ نظر رجعت پسندانہ تھا۔ اس لیے برصغیر کی تحریک آزادی میں انہوں نے محض منفی کردار ادا کیا اور بس !

سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا پالیٹیشین نہیں' اسٹیٹس مین تھے' سیاسی لیڈر نہ تھے' مدبر تھے' پالیٹیشین اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں جبکہ اسٹیٹس مین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تحریکیں اپنے اپنے وقت میں جذباتیت کا سیل رواں تھیں مگر ان تحریکوں کا نتیجہ کیا نکلا' تحریک ہجرت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا رئیس احمد جعفری ندوی نے لکھا ہے :۔

"پھر ہجرت کی تحریک اٹھی' اٹھارہ ہزار مسلمان اپنا گھربار' جائیداد' اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر ..... خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے' افغانستان ہجرت کر گئے وہاں جگہ نہ ملی واپس کئے گئے' کچھ مرکھپ گئے۔ جو واپس آئے تباہ حال خستہ' درماندہ' مفلس' قلاش' تہی دست' بے نوا' بے یار و مددگار۔ اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے تو کیا کہتے ہیں۔"
(حیات محمد علی جناح ص ۱۰۸)

اور تحریک ہجرت اس بحث کا منطقی نتیجہ تھی کہ ہندوستان دارالسلام ہے یا دارالحرب۔ امام احمد رضا اسے دارالحرب قرار نہیں دیتے تھے وہ جانتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کے لیے سود کھانا تو جائز ہو جائے گا۔ مگر ہجرت اور تلوار اٹھانا ان پر لازم ہو جائے گا۔ وہ اسے دارالسلام قرار دیتے تھے کہ سینکڑوں برس مسلمان اس پر حکمران رہے تھے۔ اب بھی سرزمین میں امن تھا اور مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے۔ مطلب واضح ہے انگریز کے سامنے

ہندو پس پردہ ان فتووں کی تار ہلا رہے تھے جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا رہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف تلوار اٹھائیں مرکھپ جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین ہی کو چھوڑ جائیں۔ آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرازم کا طلسم پاش پاش ہوتا ہے مسلمان جہاد کے نام پر برسرپیکار ہوں یا ہجرت کریں۔ سیکولرازم کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اس لیے آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے فقہائے کرام کے وارث مہربلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کا معاملہ بھی اس سے چنداں مختلف نہیں۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ اس میں ہندوستان سے فوجی بھرتی کرنے کے لیے برطانیہ نے اعلان کیا کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے گا ظاہر ہے اس وقت مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین نہ تھا۔ ہندوستان آزاد ہوتا تو حکومت ہندو اکثریت ہی کی ہوتی یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی نے فوجی بھرتی کی زبردست حمایت کی اور دو لاکھ کے قریب ہندو اور مسلمان سپاہی انگریزی افواج کے ساتھ مل کر لڑے۔ ترکی کو اس جنگ میں شکست ہوئی۔ فتح پانے کے بعد انگریز وعدے سے پھر گیا۔ اب گاندھی جی اسے سزا دینے کی فکر میں تھے۔ اس مقصد کے لیے خلافت کا مسئلہ ڈھونڈ نکالا گیا۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے خلافت کے نام پر ایک دھبے سے کم نہیں، مگر یکایک کہا جانے لگا کہ ترکی کا سلطان اسلام کا خلیفہ ہے اور اس کی خلافت ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ مسلمان بپھر گئے ایک تحریک چل نکلی مگر طرفہ تماشا یہ کہ تحریک کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی گویا جو ہندوستان میں ایک الگ خطہ زمین دینے کے حق میں نہ تھا وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی خلافت بحال کرا رہا تھا۔ امام احمد رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں

حضرات مقتدی۔ پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔

یہی صورتحال تحریک ترک موالات کی تھی' گاندھی جی مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہر قسم کے بائیکاٹ کے لیے اکسا رہے تھے۔ امام احمد رضا کا موقف یہ تھا کہ موالات دوستی اور محبت کو کہتے ہیں۔ حکم مشرکین اور کفار سے دوستی اور محبت نہ کرنے کا ہے لین دین اور معاملات کے ترک کا نہیں اور جہاں تک دوستی کی ممانعت کا تعلق ہے اس میں انگریز کی تخصیص نہیں اس میں ہندو بھی شامل ہیں۔ ایک مشرک سے پیار کی پینگیں بڑھا کر دوسرے مشرک کا مقاطعہ مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا۔

قائد اعظم محمد علی جناح تحریک ترک موالات کے مخالف تھے مگر مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سمیت بہت سے مسلمان رہنما اس مسئلے میں گاندھی کے ساتھ تھے۔ امام احمد رضا کے کلمہ حق سے متاثر ہو کر یہ سیاسی اکابر بھی آہستہ آہستہ ہندو کی سیاست سے باخبر ہوتے چلے گئے۔ خود علامہ اقبال ایک زمانے میں تحریک خلافت کی صوبائی کمیٹی کے صدر تھے۔ مگر جب تحریک کے اصل ہدف سے آگاہ ہوئے تو صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کے یہ اشعار اسی دور کی یادگار ہیں۔

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلمانوں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

جس زمانے میں یہ تحریکیں چل رہی تھیں' ان میں عوامی جذبات بپھرے ہوئے تھے ویسے بھی ہماری قوم بدقسمتی سے انتہا پسند واقع ہوئی ہے۔ بقول شاعر ؎

افسوس ہم چلے نہ سلامت روی کی چال
یا بے خودی کی چال چلے یا خودی کی چال

ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلک اعتدال پر قائم رہنا اور دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے مدبرانہ دور بینی کی سیاست پر کاربند رہنا امام رضا خان جیسے آہنی اعصاب رکھنے والے انسان ہی کا کام تھا۔ رہا یہ کہنا کہ ان کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے تو یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو یا تو امام رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو۔ ایک ایسا مرد مومن جسے انگریزی سامراج سے اتنی نفرت ہو کہ وہ اس کی کچہری میں جانے کو حرام سمجھتا ہو جو مقدمہ قائم ہو جانے کے باوجود اس کی عدالت میں نہ گیا ہو جو خط لکھتا ہو تو کارڈ اور لفافے کی الٹی طرف پتہ لکھتا ہو تاکہ انگریز بادشاہ اور ملکہ کا سر نیچا نظر آئے۔ جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے پہلے یہ وصیت کی ہو کہ اس دالان سے ڈاک میں آئے ہوئے وہ تمام خطوط جن پر ٹکہ اور بادشاہ کی تصویر ہے اور روپے پیسے جن پر یہ تصویریں ہیں سب باہر پھینک دیے جائیں تاکہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو۔ جس نے نعت گوئی میں بھی کسی کو نمونہ مانا اور اسے سلطان نعت گویاں قرار دیا تو حضرت مولانا کفایت علی کافی تھے جنہوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ جدوجہد کی اور 1858ء میں مراد آباد کے چوک میں انہیں برسرعام پھانسی دیدی گئی۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریز کا حامی تھا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ سورج ظلمت، پھول بدبو، چاند گرمی، سمندر خشکی، بہار پتجھڑ، صبا صرصر، پانی حدت، ہوا حبس اور حکمت جہالت کا دوسرا نام ہے۔

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

تعارف

حضرات: اس پرفتن دور میں جہاں اہل اسلام کی عزت و آبرو جان و مال
تحفظ کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے اس سے بڑھ کر کہیں ایمان کی حفاظت وصیا
کا مسئلہ ہے۔ غیر اسلامی باطل طاقتیں تو شمع اسلام کو گل کرنے کے لئے آفتاب اسلا
کے طلوع کے وقت ہی سے برسر پیکار ہیں۔ لیکن کہیں اس سے بڑھ کر خطرناک وہ باط
طاقتیں ہیں جو امت مسلمہ کو قال اللہ و قال الرسول کے نام پر دھوکا دیتی ہیں۔ آج کے
اس پرآشوب ماحول میں ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمات اسلام کو عام کیا جائے۔
محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جو نظام حیات عطا فرمایا ہے لوگوں کو اس سے
روشناس کرایا جائے اور یہ ذمہ داری کسی مخصوص فرد یا کسی مخصوص گروہ کی نہیں، بلکہ
كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ۔ ہر انسان ذمہ دار ہے اور ہر ایک
سے اس کے ذمہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسی احساس مسئولیت کے پیش نظر
۱۹۸۷ء میں عرس عزیزی کے موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں زیر تعلیم چند راج محلی
حساس طلبہ نے راج محل صاحب گنج میں ایک ادارہ بنام انجمن عزیزیہ قادریہ دار المطالعہ
کھولنے کی اسکیم رکھی۔ دیگر مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم راج محلی طلبہ نے بھی اس پر لبیک
کہا اور اس موقع پر دل کھول کر طلبہ نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک
ادارہ کو مختصر مدت میں کتابوں کی ایک وافر مقدار جمع کرنے کے سلسلے میں ایک شاندار
کامیابی حاصل ہوئی۔ بعدہٗ ادارہ کے پروگراموں میں توسیع کی گئی۔ اور ادارہ "دعوت
اسلامی" راج محل کے نام سے موسوم ہوا۔ اور مذکورہ بالا لائبریری کو اس کا ایک شعبہ قرار
دیا گیا۔ یوں تو ادارہ دعوت اسلامی راج محل مختلف کامیابیوں کی منزلوں سے ہمکنار ہوتا
رہا جیسے ایام مخصوصہ میں جلسوں و جلوسوں کا اہتمام، مختلف مواقع پر اشتہارات و پمفلٹ
کی اشاعت، مختلف علاقوں میں آئے دن اراکین و ادارہ کا وفود کی شکل میں پہونچ
کر قوم کے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانا ——— لیکن دعوت اسلامی راج محل کا وہ عظیم

کارنامہ جو آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے وہ ہے مختلف مقامات پر ادارے کی جانب سے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے شبینہ تعلیم گاہوں کا انتظام ——— بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت ادارے کے زیرِ انتظام ۲۰ شبینہ تعلیم گاہیں جاری دین متین کی خدمت میں مصروف ہیں جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں کہ کل وہ ہمارا نوجوان طبقہ جنہیں کلمہ توحید تک زبانی یاد نہ تھا اور انہوں نے اپنے کو ادارہ سے منسلک کر لیا، آج وہ دین و سنت کے جانکار بنکر نکل رہے ہیں ——— اِدارہ مزید مقامات پر اس قسم کی تعلیم گاہوں کے جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اللہ اسے کامیابی عطا فرمائے آمین ———

ادارہ کا بنیادی مقصد علمائے اہل سنت و جماعت کی اشاعت بھی ہے۔ اشاعتی میدان میں ادارہ اگرچہ مختلف خدمات انجام دے چکا ہے۔ لیکن اس کی باضابطہ ابتداء سلسلۂ اشاعت کی پہلی کڑی "مولانا امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت" مصنفہ مولینا کوثر نیازی، اور دوسری کڑی "بیان الوضوء" مصنفہ امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ہو رہی ہے۔ تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کا میدان کتنا پر خار و پر خم ہے اس سے ہر وہ شخص خوب واقف ہے جس کا ادنیٰ تعلق بھی اس میدان سے ہو۔

اراکین ادارہ نے اس پر خار وادی میں اللہ کی رحمت اور اہل خیر کی اعانت پر بھروسہ کر کے قدم رکھ دیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ پروردگار ادارے کے سارے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔ نیز اس کے اراکین کی نیت میں خلوص و للّٰہیت عطا فرمائے۔ اور اہل خیر سے گزارش ہے کہ دامے، درمے، سخنے ہر طرح ادارے کی مدد فرما کر اس کو منزل مقصود تک پہونچائیں اور عنداللہ ماجور ہوں ——— اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں،

منظور احمد مصباحی، رکن "دعوتِ اسلامی" ماج محل،

دعوتِ اسلامی راج محل کا پروگرام

• اردو، ہندی، بنگلہ، انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں میں علماءِ اہل سنت بالخصوص، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا، اشرفی میاں، محدث اعظم ہند کی کتابوں کی اشاعت • دینی، مذہبی اور اصلاحی کتابوں اشتہاروں کی حسبِ استطاعت مفت تقسیم • نونہالانِ اسلام کی دینی تعلیم و تربیت کیلئے مختلف مقامات پر مدارس اسلامیہ کا قیام • ناخواندہ عوام میں تعلیمی ہم آہنگی پیدا کر کے نوجوانوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے شبینہ تعلیم گاہوں کا قیام • یتیم ولا وارث اور مفلس طلبار کے لئے حسبِ استطاعت وظیفہ مقرر کرنا • دارالتصنیف والتالیف کا قیام • عربی، فارسی، اردو، ہندی، بنگلہ، انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں کی کتابوں کا لائبریری میں انتظام۔

لہٰذا: ملک میں پھیلے ہوئے ہمدردانِ قوم و ملت سے اپیل ہے کہ خدمتِ دین کے مختلف طریقوں کو اپناتے ہوئے "دعوتِ اسلامی" راج محل کے کاموں میں بھرپور تعاون اور مفید مشوروں سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں۔

آپ کس طرح تعاون کرنا چاہتے ہیں۔

کیا آپ کوئی کتاب چھپوا کر مفت تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ • کیا آپ کسی یتیم ولا وارث طالب علم کی کفالت کرنا پسند کرتے ہیں؟ • کیا آپ ایک یا چند معلم یا مصنف کا وظیفہ اور دیگر لوازمات برداشت کر سکتے ہیں؟ • کیا آپ لائبریری میں دینی کتابیں وقف کرنا چاہتے ہیں؟ • کیا آپ ادارہ ہذا کی تعمیرات میں حصہ لینا چاہتے ہیں؟ • کیا آپ ادارہ ہذا کا دس روپئے کے ماہانہ معاون ممبر بننا چاہتے ہیں۔

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ

جنرل سکریٹری "دعوتِ اسلامی" راج محل

پوسٹ نرائن پور، ضلع صاحب گنج بہار ۸۱۶۱۰۸